ترجمہ وتلخیص

دفاع کی شرعی حیثیت

تحریر شیخ عبدالقادر عودہ مصریؒ
ترجمہ: محمد جرجیس کریمی

آج امت مسلمہ پوری دنیا میں دفاعی پوزیشن میں ہے اس پر فکری اور تہذیبی یلغار کے ساتھ جارحانہ حملے بھی ہو رہے ہیں۔ ہندوستان میں آئے دن فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوتے رہتے ہیں، جرائم اور نامعلوم حملوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے جن سے دفاع کے مسئلے نے خاص اہمیت حاصل کر لی ہے ضرورت تھی کہ اس کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے تاکہ بوقت ضرورت اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور دفاع کے نام سے غیر ضروری طاقت کے استعمال سے بچا جاسکے زیر نظر مضمون میں دونوں پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے امید ہے کہ دفاع کی شرعی اور قانونی حیثیت کو سمجھنے میں یہ مضمون مفید ثابت ہوگا۔ دفاع کی دو قسمیں ہیں۔ دفاع خاص یعنی جارحانہ حملے سے اپنے آپ کا دفاع کرنا اور دفاع عام یعنی معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا۔ زیر نظر مضمون میں اول الذکر کی شرعی حیثیت سے بحث کی گئی ہے دوسری قسم کے دفاع کی شرعی حیثیت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جناب مولانا سید جلال الدین عمری کی مشہور تصنیف "معروف ومنکر" مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی جس کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور جو اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ (مترجم)

دفاع کی مشروعیت

شریعت میں دفاع خاص واجب ہے جس سے آدمی جارحانہ حملوں سے اپنے آپ کا دفاع کرتا اور اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرتا ہے یہ دفاع خواہ اپنی طرف سے ہو خواہ، دوسرے کی طرف سے ایک شرعی حق ہے اور اس پر دفاع کرنے والا

قانونی مواخذہ سے بری سمجھا جائے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم (البقرہ:۱۹۴)

جو تم پر دست درازی کرے تم اسی طرح اس پر دست درازی کرو۔

اس سلسلہ میں متعدد احادیث بھی وارد ہیں جن سے اپنی ذات کے دفاع کا حق ثابت ہوتا ہے مثال کے طور پر ایک شخص دوسرے کا ہاتھ دانت سے کاٹنے لگا تو اس نے اپنا ہاتھ زور سے باہر کھینچا تو اس کے دانت باہر نکل پڑے جب اس کی شکایت دربار نبوی میں کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ پر رہنے دیتا کہ تو اسے چباتا رہے۔ چنانچہ اس پر کوئی حد نافذ نہ کی گئی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے" ایک اور موقع سے آپؐ نے فرمایا "کوئی شخص بغیر اجازت تمہارے گھر میں تانک جھانک کرے اور تم اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو تم پر کوئی تاوان نہ ہوگا اسی طرح آپؐ نے دوسرے کی طرف سے دفاع کا حکم دیا" ارشاد ہے کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم، ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روک دیا جائے اور مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اس پر ظلم نہ ہونے دیا جائے ایک اور روایت ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا "فتنہ فساد کے وقت مومن ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔

دفاع کی شرعی حیثیت

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جان، مال اور عزت و آبرو پر ہونے والے حملوں کا دفاع مشروع ہے خواہ یہ حملہ اپنی ذات پر ہو یا کسی دوسرے کے خلاف ہو البتہ اس کی تفصیلات میں ان کا اختلاف ہے اس بارے میں بنیادی طور پر دو مسائل ہیں ایک یہ کہ کیا دفاع واجب ہے کہ ہر حال میں آدمی اس کو اختیار کرے یا یہ ایک حق ہے کہ چاہے تو اس کا استعمال کرے چاہے نہ کرے۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کا دفاع واجب ہے۔ مثال کے طور پر عورت اپنی آبرو پر حملہ کرنے والے شخص کو قتل کر سکتی ہے۔ اسی طرح کسی عورت کی عصمت کی حفاظت کے لیے اس کی عصمت کے درپے شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس کا دفاع کسی اور طرح ممکن نہ ہو۔

شریعت میں واجب کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ترک کرنے والا گناہ گار اور قابل مواخذہ ہے خواہ یہ مواخذہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ ایک دوسری رائے کے مطابق وہ قابل مواخذہ تو نہیں[1] البتہ قابل ملامت ضرور ہوگا دفاع واجب کا ترک کرنے والے کی دنیا میں تو گرفت نہیں کی جائے گی لیکن آخرت میں اس کا مواخذہ ہوگا لیکن واضح رہے کہ دنیا میں واجب کے ترک پر جوابدہی کے نہ ہونے سے واجب کی اصل اہمیت میں کمی واقع نہ ہوگی اور نہ اس سے واجب اور حق کا درجہ برابر ہو جائے گا کیونکہ حق میں آدمی کو اس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور اس کا تارک گناہ گار نہیں ہوتا جبکہ واجب میں یہ اختیار نہیں اور اس کا ترک کرنے والا گناہگار سمجھا جاتا ہے[2]

جہاں تک نفس یعنی جان سے متعلق دفاع کا سوال ہے تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نفس کی طرف سے دفاع واجب ہے[3] امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ جائز ہے[4] واجب نہیں، بعض فقہاء حنابلہ نے حالات کے مطابق اس میں تفریق کی ہے مثلاً اگر حالات پرفتن ہوں تو جائز ہے اور اگر حالات عام ہوں تو واجب مطلق ہے[5] بعض شافعی اور مالکی فقہاء کا بھی یہی خیال ہے[6] ان کی دلیل یہ ہے کہ فتنے کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر پر بیٹھے رہنے کی تلقین فرمائی ایک دوسری روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ "تم قاتل بندہ بننے کے بجائے مقتول بندہ بنو" یعنی قتل کرنے کی بجائے قتل کیا جانا پسند کرو۔ اس سلسلے میں حضرت عثمان خلیفۂ ثالث کا عمل بھی دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی جان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے بھی اپنا دفاع پسند نہ کیا۔

مال کی طرف سے دفاع کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے آدمی چاہے تو اس کا دفاع کرے چاہے تو نہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مال جائز ذرائع سے حلال ہو جاتا ہے جبکہ کسی کی جان لینا کسی طرح بھی حلال نہیں ہوتا۔ بعض فقہاء نے اس مال کا دفاع واجب قرار دیا ہے جس میں کوئی ذی روح ہو یا وہ مال دوسرے کی امانت موقوفہ یا موہوبہ ہو یا وہ رہن اور اجارہ کا مال ہو۔ ان صورتوں میں دفاع ضروری ہو جائے گا[7]

دفاع کے سلسلے میں دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ اگر کسی بچہ، مجنون (پاگل) یا جانور کی طرف سے حملہ ہو تو اس کا دفاع کیا جائے گا یا نہیں؟ امام مالک امام شافعی اور امام احمد

بن حنبل کے نزدیک اس کی مدافعت کی جائے گی اور ضرورت پڑنے پر حملہ آور کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں دفاع کرنے والے پر کسی قسم کی کوئی فرد جرم عائد نہ ہوگی کیونکہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے اس نے اپنا حق استعمال کیا[۹] امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ (امام ابو یوسفؒ کے علاوہ) کے نزدیک مدافعت کی جائے گی لیکن جانی نقصان کی صورت میں اس کی تلافی کرنی ہوگی یعنی بچے اور مجنون کی دیت اور جانور کی قیمت ادا کرنی ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے دفاع کا حکم جرم کے ازالہ کے لیے دیا ہے۔ بچہ، مجنون اور جانور کا عمل جرم شمار نہیں ہوتا اس لیے اس سے حد ساقط ہو جائے گی لیکن قانونی جوابدہی کرنی ہوگی اور تاوان ادا کرنا ہوگا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک مدافعت کی جائے گی اور دفاع کرنے والا صرف جانور کی قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ بچہ اور مجنوں کی طرف سے کوئی دیت ادا نہ کی جائے گی۔ کیونکہ جانور کا حملہ کرنا جرم نہیں سمجھا جاتا جبکہ بچہ اور پاگل کا جرم شمار ہوگا البتہ ان کی عدم ادراک (ناشعوری) کی وجہ سے اس پر سزا کا نفاذ نہ ہوگا[۹]

جو لوگ ہر حال میں دفاع کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ آدمی اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اس لیے اس کا دفاع ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ حملہ آور کا خون صرف اس لیے حلال نہیں ہو جاتا کہ اس نے حملہ کیا ہے اگر دوسرے طریقوں سے اس کا دفاع ممکن ہو تو اس کا قتل کرنا درست نہ ہوگا۔ یہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ کسی اور طریقہ سے دفاع ممکن نہ ہو۔ بدرجہ مجبوری ہی حملہ آور کو قتل کرنے یا اس کی جان لینے کی شریعت نے اجازت دی ہے[۱۰]

دفاع کی شرائط

دفاع آدمی کا حق ہے لیکن اس کی چند شرائط ہیں جن کی پابندی لازمی ہے ذیل میں ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی پر دفاع اس وقت ضروری ہوگا جب واقعی اس پر ظلم ہو رہا ہو مثال کے طور پر اگر باپ اپنے بیٹے کو اور شوہر اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے اور استاذ بچوں کو تعلیم دینے کے لیے مار پیٹ کرے تو یہ ظلم نہیں سمجھا جائے گا یا اسی طرح اگر

کسی پر حد شرعی نافذ کی جا رہی ہو یعنی ہاتھ کاٹا جا رہا ہو یا کوڑے لگائے جا رہے ہوں یا قصاص کے طور پر اس کی گردن اڑائی جا رہی ہو تو ایسی صورت میں اس کا شمار ظلم میں نہ ہوگا اور دفاع کا حق حاصل نہ ہوگا کسی معاملے کی تحقیق کے لیے آدمی کا گرفتار کیا جانا اور معمولی مار پیٹ اور زدوکوب بھی ظلم شمار نہ ہوگا کہ اس کا دفاع ضروری ہو۔

ظلم و زیادتی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے وہ شدید بھی ہو سکتی ہے اور معمولی بھی معمولی زیادتی کی صورت میں حق دفاع ساقط نہ ہوگا البتہ حسب ضرورت ہی طاقت کا استعمال ہونا چاہیے۔ اس طرح آدمی اپنی ذات کے علاوہ دوسرے کی طرف سے بھی دفاع کا مکلف ہے۔ کبھی آدمی اپنی ہی جان و مال کو نقصان پہنچانے لگتا ہے ایسی صورت میں اس سے باز رکھنا ضروری ہے[11]۔ امام مالک شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک دفاع کے لیے قابل سزا جرم ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا غیر شرعی ہونا کافی ہے خواہ اس کا کرنے والا شرعاً مکلف ہو یا نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دفاع کے لیے ضروری ہے کہ وہ قابل سزا جرم ہو اور حملہ آور قانوناً و شرعاً مکلف ہو دوسری صورت میں صرف بدرجہ مجبوری دفاع کیا جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا قابل سزا جرم ہونا کافی ہے مجرم کا قانوناً جوابدہ ہونا ضروری نہیں۔ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک ہر زیادتی، زیادتی ہے خواہ وہ کسی آدمی کی طرف سے ہو یا کسی جانور کی طرف سے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کے نزدیک جانور کی زیادتی کی مدافعت جرم سمجھ کر نہیں بلکہ ایک ضرورت سمجھ کر کی جائے گی۔

دفاع کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حملہ آور اگر دفاعی پوزیشن میں آجائے اور یہ عذر کرے کہ وہ اپنا دفاع کر رہا تھا تو یہ قابل لحاظ نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر اس کی جان بھی چلی جائے یا شدید زخم لاحق ہو تو دفاع کرنے والا جوابدہ نہ ہوگا کیونکہ زیادتی کی ابتدا اس کی طرف سے ہوئی تھی جیسا کہ حضرت علیؓ کے فیصلہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ ان کے زمانے میں ایک عورت کے حجلہ عروسی میں اس کا ایک آشنا گھس آیا جب اس کا شوہر وہاں آیا تو اس نے اس پر حملہ کر دیا جس پر شوہر نے آشنا کو قتل کر دیا اور عورت نے اپنے آشنا کی مدافعت میں شوہر کو قتل کر دیا۔ حضرت علی نے عورت پر قصاص کی حد جاری فرمائی اور اس کے دفاع کا کوئی اعتبار نہ کیا البتہ اگر

مدافعت ظلم سے بڑھ کر ہو تو ایسی صورت میں وہ زیادتی سمجھی جائے گی اور اس کا دفاع کیا جائے گا۔

دفاع کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ جب حملہ آور حملہ کر دے تب اس کا دفاع کیا جائے بلکہ اگر اس کا خدشہ اور گمان غالب ہو تو ایسی صورت میں بھی دفاع کا حق حاصل ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص تلوار یا کوئی دوسرا ہتھیار لے کر سامنے آجائے یا کسی کے گھر میں گھس آئے اور اسباب وقرائن ایسے ہوں جن سے ظاہر ہو رہا ہو کہ وہ یقیناً حملہ کر دے گا تو ایسی صورت میں مدافعت کی جائے گی[۱۱۲] لیکن صرف وہم یا گمان کی بنیاد پر دفاع کی اجازت نہ ہوگی اس طرح مذاق یا کھیل میں ہتھیار اٹھائے جانے سے بھی اس کی مشروعیت لازم نہیں آئے گی الا یہ کہ معقول اسباب ثابت کر رہے ہوں کہ مقابل کی نیت درست نہیں ہے تو ایسی صورت میں مدافعت کا حق حاصل ہوگا۔

دفاع کے لیے اس بات کی بھی خاص اہمیت ہے کہ آدمی کو اس کا علم ہو کہ اس پر زیادتی کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی کیونکہ اسی بنیاد پر اسے دفاع کا حق حاصل ہوگا نہ تو زیادتی سے قبل دفاع ہے اور نہ اس کے بعد۔ مثال کے طور پر حملہ آور دفاع کرنے والے کی ایک ضرب کے بعد مزید جارحیت سے معذور ہو جائے تو ایسی صورت میں اس پر ضروری ہے کہ وہ اپنا ہاتھ روک لے دوسری صورت میں وہ قانوناً قابل مواخذہ ہوگا۔ البتہ اگر حملہ آور کسی کا مال لے کر بھاگ رہا ہو تو اس کا تعاقب کیا جائے گا اور جب تک مال اس سے چھین نہ لے دفاع کا حق اسے حاصل رہے گا حتیٰ کہ اس کی واپسی اگر کسی طرح ممکن نہ ہو تو اس کی جان بھی لی جا سکتی ہے۔

کوئی شخص کسی پر جارحانہ حملے کا اظہار کرتا ہے یعنی اس کی نیت اور ارادہ ہے کہ وہ اس پر حملہ کرے گا لیکن وہ اس کی تعمیل پر قادر نہیں ہے تو ایسی صورت میں دفاع کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ اس سلسلے میں گمان غالب تو معتبر ہے لیکن صرف اس کا ارادہ یا نیت معتبر نہیں ہے لہٰذا اگر وہ اس بنیاد پر اس کا قتل کر دیتا ہے تو اس پر حد شرعی نافذ کی جائے گی۔

۲۔ دفاع کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ زیادتی زمانۂ حال میں ہو رہی ہو جبھی دفاع تصور کیا جائے گا ورنہ وہ خود زیادتی ہوگی ممکنہ خطرہ یا دھمکی کی بنیاد پر دفاع مشروع

نہیں ہوگا اور ایسی صورت میں دفاع کرنے والا قانونًا جوابدہ ہوگا البتہ وہ ممکنہ خطرے اور دھمکی کا مناسب دفاع کرسکتا ہے جس کے لیے حکومت کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ دفاع کی تیسری شرط یہ ہے کہ حملہ آور کی جان لینے کے علاوہ کسی اور طرح دفاع ممکن نہ ہو۔ اگر کسی دوسری صورت سے دفاع ہوسکتا ہو تو پہلے اسے اختیار کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر شور مچانے یا مدد طلب کرنے سے حملہ آور بھاگ جائے یا حملے کا دفاع کیا جاسکے تو بلا وجہ اس کو مارنا یا قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور اگر ایسا گیا تو وہ جرم تصور کیا جائے گا۔[۱۳] اس طرح اگر حملے کا دفاع حکومت کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہو تو حملہ آور کا قتل کرنا یا مار پیٹ کرنا جائز نہیں ہے۔[۱۴] فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ فرار (یعنی حملے کے موقع ومحل سے بھاگ جانا) دفاع کا ایک متبادل ذریعہ تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ جن فقہاء نے اس کو متبادل ذریعہ قرار دیا ہے ان کے نزدیک اس کا اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ آدمی دفاع کے لیے آسان ذریعہ اپنانے کا شرعی طور پر مکلف ہے۔[۱۵] البتہ جن کے نزدیک متبادل ذریعہ قرار نہیں دیا گیا ہے ان کے نزدیک بھاگنا ضروری نہیں اسے چاہئے کہ ثابت قدم رہ کر حالات کا مقابلہ کرے۔[۱۶] بعض فقہاء نے فرار کی مناسب اور غیر مناسب صورتوں میں فرق کیا ہے۔[۱۷] مثال کے طور پر آدمی تنہا ہو اور بھاگ جانے سے اس کی عزت وآبرو پر کوئی آنچ نہ آتی ہو تو ایسی صورت میں بھاگ جانا ہی بہتر ہے۔ دوسری صورت میں اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ پامردی سے حملے کا دفاع کرے۔[۱۸]

۴۔ دفاع کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ دفاع کے وقت حسب ضرورت طاقت استعمال کی جائے مثال کے طور پر کوئی آدمی گھر میں گھس آئے اور وہ ڈانٹ پھٹکار ہی سے واپس چلا جائے تو اس کا مارنا پیٹنا صحیح نہیں ہے یا معمولی مار پیٹ سے وہ واپس جانے پر تیار ہو تو غیر ضروری طور پر مارنا پیٹنا درست نہیں اسی طرح اگر لاٹھی کی مار سے وہ بھاگ جائے تو لوہے کے ہتھیار سے مارنا یا ایک دفعہ مارنے سے دفاع ہو جائے تو دوسری مرتبہ مارنا جائز نہیں ہے۔ دوسری صورت میں دفاع کرنے والا قانونًا جوابدہی سے بری نہ ہوگا اور اس پر حد شرعی نافذ کی جائے گی۔[۱۹] لیکن اگر قتل کیے بغیر دفاع

ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں اسے اس کی اجازت ہوگی۔[۲۰]

جو شخص خود اپنی جان و مال یا اہل وعیال کی جان کے درپے ہو تو اس کی مدافعت حتی الامکان آسان طریقے سے کی جائے گی۔ اگر شور مچانے یا مدد طلب کرنے سے دفاع ہو جائے تو طاقت کا استعمال نہیں کیا جائے گا لیکن اگر اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو اس کی اجازت ہے حتی کہ ضرورت کے وقت حملہ آور کی جان لی جاسکتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ غیر ضروری طاقت کا استعمال قانونی گرفت کا موجب ہوگا اور نقصان کی صورت میں اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔[۲۱]

اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں تانک جھانک کرے تو صاحب مکان پہلے تو اس کو منع کرے گا اس کے باوجود اگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو آسان اور مناسب طریقے سے اس کا دفاع کرے گا اگر اس پر بھی وہ باز نہ آئے اور وہ اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالے تو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کی کوئی گرفت نہ کی جائے گی۔[۲۲] کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی تمہارے گھر میں جھانکے اور تم اسے اٹھا کر پتھر دے مارو جس سے اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں تو تمہارے اوپر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس قسم کی اور بھی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی گھر میں جھانکنے والے کی آنکھیں پھوڑ ڈالے تو اس پر کوئی گرفت نہ کی جائے گی امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک (غالب رائے کے مطابق) صرف دیکھنے (جھانکنے) کی بنیاد پر آنکھیں نہیں پھوڑی جاسکتیں کیونکہ کسی کی شرمگاہ دیکھ لینے پر آنکھیں پھوڑ دینے کا جواز نہیں نکلتا تو پھر صرف گھر کی طرف دیکھ لینے پر کیسے ایسا کیا جاسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدیث بالا کا مقصد تانک جھانک سے سختی کے ساتھ منع کرنا ہے[۲۳] امام مالک کے نزدیک پتھر پھینک مارنا تنبیہ کی غرض سے ہوسکتا ہے۔ جس پر اگر اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں تو قصاص لازم نہیں آئے گا البتہ اس کا تاوان دینا ہوگا۔[۲۴]

دفاع کے سلسلے میں حملہ آور کے قتل کے تعلق سے علامہ علاء الدین کاسانی فرماتے ہیں کہ کسی کا خون صرف اس لیے حلال نہیں ہو جاتا کہ اس نے کسی پر حملے کا ارادہ کیا ہے اگر اس کا دفاع کسی اور طرح ممکن ہو تو حتی الامکان اسی طریقہ کو اختیار کیا جائے گا دوسری صورت میں بدرجہ مجبوری حملہ آور کا قتل جائز ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنی جان کی حفاظت

نہیں کر سکتا تھا مثال کے طور پر اگر کوئی شخص تلوار لے کر سامنے آجائے تو جب تک دفاع کرنے والا شور مچائے گا اور اس کی مدد کے لیے لوگ آئیں اس سے قبل اس کا خاتمہ ہو چکا ہو گا۔ لہٰذا ایسی صورت میں ضروری طاقت کا استعمال کیا جا سکتا ہے[۲۵]۔ اسی طرح اگر لاٹھی سے حملہ کیا جائے اور دفاع کرنے والے کے پاس تلوار یا چاقو کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہ ہو تو ایسی صورت میں اسے اختیار ہے کہ وہ اس سے اپنا دفاع کرے لیکن جان بوجھ کر یا سستی سے لاٹھی یا آسان ذریعہ سے دفاع نہ کرنا اس کے لیے مناسب نہ ہو گا[۲۶]۔

دفاع سے تجاوز کی صورتیں

دفاع کے وقت اگر ضرورت سے زیادہ طاقت استعمال کی جائے تو یہ دفاع نہیں بلکہ زیادتی سمجھی جائے گی اور اس کی بازپرس کی جائے گی۔

زیادتی اور اس کے دفاع کے درمیان ایک گہرا ربط ہے۔ کیونکہ زیادتی کی وجہ سے دفاع مشروع ہوا ہے پس جہاں زیادتی شروع ہو گی وہاں دفاع بھی مشروع ہو گا اور جہاں زیادتی ختم ہو جائے وہیں پر دفاع بھی ختم ہو جائے گا اگر زیادتی ختم ہونے کے بعد دفاع جاری رہے تو یہ دفاع نہیں بلکہ خود زیادتی ہو گی[۲۹]۔

دفاع جائز ہے اور اس پر کوئی سزا نہیں ہے لیکن دفاع کے وقت جوابی حملے کا اگر کوئی دوسرا شخص شکار ہو جائے مثلاً کسی نے حملہ آور کو مارنے کے لیے تلوار چلائی جو اتفاق سے اس کے بجائے کسی دوسرے شخص کو لگ گئی تو ایسی صورت میں اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی البتہ چونکہ اس کا تلوار چلانا اپنی جگہ پر صحیح تھا اور غلطی سے دوسرے کو لگ گئی لہٰذا اس پر قتل خطا کا حکم نافذ ہو گا اور اس کی دیت ادا کرنی پڑے گی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی شکار کرنے کے لیے جانور پر تیر چلائے لیکن وہ کسی انسان کو لگ جائے تو ایسی صورت میں اس کو تاوان دینا ہو گا۔ مذکورہ بالا مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے لہٰذا اس کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔

دفاع کی غرض سے گھر کے دروازے کے پیچھے یا راستے میں جال بچھانا یا کوئی ایسی تدبیر کرنا جس سے حملہ آور زخمی ہو جائے یا مر جائے تو امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام

احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے[۳۰] اور صاحب مکان اس کے لیے جوابدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ داخل ہونے والے نے بغیر اجازت اور حق کے داخل ہونے کی کوشش کر کے گویا اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ امام مالک کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ہے[۳۱] کیونکہ شریعت میں دفاع کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ آدمی پہلے آسان طریقہ اختیار کرے جبکہ اس صورت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جدید ماہرین قانون کی بھی مختلف رائیں ہیں بعض اس کو درست قرار دیتے ہیں جبکہ بعض اس کو درست نہیں سمجھتے ہیں[۳۲]

جوابی دفاع کی شرعی حیثیت

فقہاء کے درمیان اس بارے میں اتفاق ہے کہ دفاع جائز ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں کی جائے گی یہ آدمی کا حق ہے کہ وہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے لیکن اگر دفاع کرنے والا حملہ آور بر ضرورت سے زیادہ طاقت استعمال کرتا ہے تو ایسی صورت میں کیا اس کے لیے بھی دفاع مشروع ہوگا اس بارے میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ زیادتی زیادتی ہے خواہ وہ حملہ آور کی طرف سے ہو خواہ دفاع کرنے والے کی طرف سے بہرحال اس کا دفاع کیا جائے گا البتہ اس کے لیے آسان طریقہ اور حتی الامکان کم سے کم طاقت استعمال کی جائے گی ضرورت کے وقت پوری طاقت کے استعمال کی اجازت شریعت نے دی ہے۔

حواشی و مراجع

سلہ الاحکام فی اصول الاحکام لسیف الدین ابی الحسن الآمدی طبعۃ دارالکتب ج ۱ ص ۱۳۸
المستصفیٰ للغزالی ج ۱ ص ۶۵، ۶۶

سلہ ۲ المستصفیٰ للغزالی ج ۱ ص ۴۷

سلہ ۳ حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین المطبعۃ الامیریۃ ج ۵ ص ۴۸۱ تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج لشہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی طبعہ ۱۳۱۹ھ ج ۴ ص ۱۲۴ مواہب الجلیل شرح

مختصر خلیل للخطاب ج ۶ ص۳۲۳ - الزیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق الطبعۃ الاولی المطبعۃ الامیریہ وحاشیہ شہاب الدین الشلبی ج ۶ ص۱۱۰

سے المغنی علی مختصر الخرقی لمحمد عبداللہ بن قدامہ الطبعۃ الاولی بمطبعۃ المنار ج ۱۰ ص۳۵۰

۵ہ الاقناع شرف الدین موسی الحجاوی الطبعۃ الاولی المطبعۃ المصریہ ج ۴ ص۲۹۰

۶ہ حاشیہ الرملی، ابوالعباس احمد الرملی (دیکھئے اسنی المطالب شرح روض الطالب) ج ۴ ص۱۶۸ وشرح الزرقانی وحاشیہ البنانی ج ۸ ص۱۱۸

۷ہ اسنی المطالب شرح روض الطالب لابی یحیٰ زکریا الانصاری ج ۴ ص۱۶۸

۸ہ مواہب الجلیل ج ۶ ص۳۲۳ تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام لابن فرحون ج ۲ ص۳۰۳ الام لامام الشافعی الطبعۃ الاولی مطبعۃ بولاق ج ۶ ص۱۷۲ المہذب لابی اسحاق الشیرازی مطبعۃ البابی الحلبی ج ۲ ص۲۲۳ الاقناع ج ۴ ص۲۵۹

۹ہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق لابن نجیم ج ۸ ص۳۰۲

۱۰ہ الام ج ۶ ص۱۷۲

۱۱ہ اسنی المطالب ج ۴ ص۱۶۷

۱۲ہ الام ج ۶ ص۲۷

۱۳ہ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص۴۸۲، اسنی المطالب ج ۴ ص۱۶۷

۱۴ہ الام ج ۶ ص۲۷ اسنی المطالب ج ۴ ص۶۷

۱۵ہ المغنی ج ۱۰ ص۳۵۳

۱۶ہ حوالہ سابق والام ج ۶ ص۲۸

۱۷ہ تحفۃ المحتاج ج ۴ ص۱۲۶

۱۸ہ حوالہ سابق و اسنی المطالب ج ۴ ص۱۶۷

۱۹ہ المغنی ج ۱۰ ص۳۵۱-۳۵۲ ۲۰ہ حوالہ سابق

۲۱ہ تاوان کی دو صورتیں ہیں بدنی یا مالی فقہاء نے صرف "ضمان" کا تذکرہ کیا ہے۔ المہذب ج ۲ ص۲۲۱

۲۲ہ المغنی ج ۱۰ ص۲۵۵ المہذب ج ۲ ص۲۲۲

۲۳ہ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص۴۸۵

۲۴ہ مواہب الجلیل ج ۵ ص۳۲۲-۳۲۳

۲۵ھ بدائع الصنائع ج ۷ صـ ۶۳

۲۶ھ اسنی المطالب ج ۴ صـ ۱۶۷

۲۷ھ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ صـ ۲۷۴

۲۸ھ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ صـ ۵۲۴ تحفۃ المحتاج ج ۵ المغنی ج ۹ صـ ۵۷۱

۲۹ھ تبصرہ الحکام ج ۲ صـ ۲۹۶ .مواہب الجلیل ج ۶ صـ ۲۳۱

۳۰ھ القسم العام لاحمد بن صفوت صـ ۲۲۴

(ماخذ۔ التشریع الجنائی الاسلامی ج ۱ بحث الدفاع الشرعی الخاص صـ ۴۷۳ تا ۔ ۴۸۹)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی نئی پیشکش

عہد نبوی کا نظام حکومت

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرت نبوی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اب تک چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا لیکن اس کتاب میں اس لحاظ سے جدت اور ندرت پائی جاتی ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جن سے کتب سیرت میں بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔ ابتدا میں عہد رسالت میں ریاست کے تدریجی ارتقا پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اس کے دور مبارک میں شہری نظم ونسق اور فوجی، مالی اور مذہبی نظاموں سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا خاص موضوع ہے۔ ان کا نام اعلیٰ تحقیقی معیار کی ضمانت ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری سکریٹری ادارہ اور نائب امیر جماعت اسلامی ہند کا مختصر اور مفید مقدمہ بھی ہے۔

آفسٹ کی خوبصورت طباعت عمدہ کاغذ صفحات ۱۳۶ قیمت ۳۰/ زیادہ منگوانے پر خصوصی رعایت

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ